عقاید شناسی

امام کی معرفت

علامہ محمد حسین طباطبائی

امام کے معنی

امام یا پیشوا کا لقب اس شخص کو دیا جاتا ہے جو کسی مخصوص معاشرتی تحریک یا سیاسی نظریہ یا علمی یا دینی طرز فکر میں کسی جماعت کی رہنمائی کرتا ہے۔ قدرتی طور پر اس تعلق کی بنا پر جو اس کے اور ان لوگوں کے مابین ہوتا ہے جن کی وہ رہنمائی کرتا ہے، یہ ضروری ہے کہ وہ اہم اور ثانوی معاملات میں اپنے اعمال اور ان کی صلاحیتوں کے درمیان مطابقت پیدا کرے۔

جیسا کہ گزشتہ ابواب سے ظاہر ہے، اسلام لوگوں کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے احکام جاری کرتا ہے۔ یہ انسان کی زندگی کا روحانی نقطۂ نگاہ سے مطالعہ کرتے ہوئے اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ فرد کی مادی زندگی اور اس کے نظم ونسق میں دخل انداز ہوتا ہے اور اسی طرح اجتماعی زندگی اور اس کے نظم وضبط (حکومت) میں بھی مداخلت کرتا ہے۔

لہٰذا اسلام میں امامت اور دینی پیشوائی کا مطالعہ تین پہلوؤں سے کیا جاسکتا ہے یعنی اسلامی حکومت کے نقطۂ نگاہ سے، اسلامی علوم اور احکام کے نقطہ نگاہ سے اور روحانی رہنمائی کے نقطہ نگاہ سے۔ اہل تشیع کا اعتقاد ہے کہ چونکہ اسلامی معاشرہ کو ان تینوں شعبوں میں ہدایت کی اشد ضرورت ہے لہٰذا جو شخص ان معاملات میں پیشوائی کا رتبہ رکھتا ہو اس کا تقرر لازمی طور پر اس کے خدا اور اس کے رسولؐ کی جانب سے ہونا چاہیئے اور بلا شبہ پیغمبر بھی امام کو اللہ کے حکم سے نامزد کرتا ہے۔

امامت رسولؐ کی جانشینی اور اسلامی حکومت

انسان اپنی خدا داد فراست کی بدولت یہ بات کسی شک وشبہ کے بغیر سمجھ سکتا ہے کہ کوئی منظّم معاشرہ مثلاً ملک، شہر یا گاؤں یا قبیلہ حتیٰ کہ کوئی گھر جس میں چند افراد رہتے ہوں، ایک سرپرست اور حاکم کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ ہر معاشرہ کو ایک پیشوا کی ضرورت ہوتی ہے جو معاشرہ کے افراد کو اپنی سماجی ذمہ داریاں پوری کرنے کی رغبت دلائے۔ کسی ایسے حاکم کے بغیر معاشرہ کا شیرازہ تھوڑی ہی مدت

میں بکھر جاتا ہے اور افراتفری پھیل جاتی ہے لہذا جو شخص کسی چھوٹے یا بڑے معاشرہ کا حاکم یا پیشوا ہو اور وہ اپنے مقام یا معاشرہ کی بقا میں دلچسپی رکھتا ہو تو جب کبھی وہ عارضی اور مستقل طور پر اپنے فرائض انجام دینے سے کنارہ کش ہوتا ہے تو اپنا جانشین ضرور مقرر کرتا ہے۔ وہ اس بات پر آمادہ نہیں ہوتا کہ اپنی حکومت کو لاپروائی سے خیر باد کہہ دے اور خوشحالی و بردباری سے بے نیاز ہو جائے۔ اگر کسی گھر کا سرپرست چند دنوں کے لئے سفر پر جاتا ہے تو گھر کا انتظام چلانے کے لئے اپنے خاندان کے کسی فرد یا کسی شخص کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہے اور گھر کا نظم ونسق اس کے سپرد کرتا ہے۔ کسی ادارہ کا سربراہ یا اسکول کا پرنسپل یا دکان کا مالک اگر چند گھنٹوں کے لئے غیر حاضر ہونا چاہے تو کسی نہ کسی کو اپنا نمائندہ مقرر کرتا ہے۔

اس طرح اسلام ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد قرآن وسنت کے مطابق اشیاء کی بنیادی فطرت پر رکھی گئی ہے اور جیسا کہ اپنے پرائے اور ہر مشاہدہ کرنے والے پر واضح ہے، اس دین کا تعلق اجتماعی زندگی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولؐ نے اس دین کی اجتماعیت پر توجہ دی ہے۔ اس بات سے نہ انکار کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس سے چشم پوشی کی جاسکتی ہے۔

یہ اسلام کا ایک ایسا روپ ہے جس کا کسی دوسری چیز سے ہرگز مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ جہاں کہیں اسلام کو اثر ورسوخ حاصل ہوا رسول اکرمؐ نے سماجی گروہ تشکیل دینے کے مسئلہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ جب کبھی کوئی شہر یا قریہ اسلامی قلمرو میں شامل ہوتا آپؐ جس قدر جلدی ممکن ہوتا وہاں کا ایک والی یا حاکم مقرر کرتے اور مسلمانوں کے معاملات کا انتظام اس کے سپرد کردیتے[۱] آپؐ جب کبھی کسی اہم عسکری مہم (جہاد) کا حکم دیتے اس کے لئے ایک سے زیادہ سالار مقرر کرتے اور مقدم اور مؤخر کے لحاظ سے ان کی ترتیب بھی معین فرمادیتے۔ حتیٰ کہ جنگ موتہ میں آپ نے چار سالار مقرر کیے تاکہ اگر ان میں سے ایک قتل ہوجائے تو دوسرا اور اگر دوسرا قتل ہوجائے تو تیسرا سالار اور سردار کے فرائض انجام دے وعلیٰ ہذا القیاس۔[۲]

رسول اکرمؐ جانشینی کے معاملہ میں گہری دلچسپی لیتے تھے اور جب کبھی ضروری ہوتا جانشین کا تقرر فرماتے تھے۔ جب کبھی آپ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو وہاں اپنا ایک نمائندہ چھوڑ کر

۱۔ تاریخ یعقوبی (جلد ۳، صفحات ۶۱-۶۲) اور سیرۃ ابن ہشام (جلد ۴، صفحہ ۱۹۷)

۲۔ تاریخ یعقوبی (جلد ۲، صفحات ۵۲ تا ۵۹) اور سیرۃ ابن ہشام (جلد ۲، صفحہ ۲۲۳)

جاتے تھے[۱] حتیٰ کہ جب آپؐ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو صورت حال واضح نہیں تھی مگر آپؐ نے ان چند دنوں کے لئے اپنے معاملات کے نظم ونسق کی خاطر اور لوگوں کی امانتیں واپس کرنے کے لئے حضرت علیؑ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔[۲] اسی طرح آنحضرتؐ کی وفات کے بعد بھی حضرت علیؑ آپ کے قرضوں اور دوسرے معاملات کے لئے آپ کے جانشین تھے[۳] اسی بنا پر اہل تشیع دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ امر قرین قیاس نہیں ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے وصال سے پہلے اپنا کوئی جانشین مقرر نہ کیا ہو اور کسی ایسے رہنما کا انتخاب نہ کیا ہو جو آپ کے بعد مسلمانوں کے معاملات کا نظم ونسق سنبھالے اور اسلامی معاشرہ کے پہیوں کو حرکت میں لائے۔

انسان کی بنیادی فطرت کو اس امر کی قدر و قیمت اور اہمیت میں کوئی شک نہیں کہ معاشرہ کے وجود کا دارومدار کچھ مشترک قواعد وضوابط اور اصول پر ہے جنہیں اس معاشرہ کے مختلف طبقوں کی اکثریت عملاً قبول کرتی ہے اور معاشرہ کی بقاء کا انحصار ایک ایسی عادل حکومت پر ہوتا ہے جو ان قواعد کو مکمل طور پر نافذ کرے۔ کوئی باشعور شخص اس حقیقت کو نظر انداز یا فراموش نہیں کرسکتا ۔ اس کے علاوہ اسلامی شریعت کے وسیع اور دقیق ہونے اور اسکی اس اہمیت اور قدر و قیمت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا جو رسول اکرمؐ کے نزدیک اسے حاصل تھی اور جس کے اجرا اور بقاء کی خاطر آپ نے بے شمار قربانیاں دیں اور نہ ہی رسول اکرمؐ کی دماغی قابلیت، عقل کے کمال، صحیح رائے اور قوت تدبیر کے بارے میں کوئی بحث کی جاسکتی ہے۔ علاوہ اس کے کہ ان صفات کی تائید وحی اور نبوت سے ہوتی ہے۔

ان متواتر احادیث کے مطابق جو سنی اور شیعہ محدثین نے حدیث کی کتابوں میں (فتنہ وفساد کے باب میں) نقل کی ہیں، رسول اکرمؐ نے ان فتنوں اور مصائب کے متعلق جن سے ملت اسلامیہ آپؐ کی وفات کے بعد دو چار ہونے والی تھی اور ان خرابیوں کے بارے میں جو اسلام میں رخنہ پیدا کرنے والی تھیں مثلاً آلِ مروان وغیرہ کی حکومت جنہوں نے اس مقدس دین کو اپنی ہوا وہوس کا بازیچہ بنالیا تھا، تفصیل سے خبر دی تھی۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ ان حوادث اور مصائب کے بارے میں تو غفلت نہ برتیں۔ اور ان کا ذکر کریں جو ان کی وفات کے کئی سال نہیں بلکہ ہزار سال بعد رونما ہونے والے تھے، لیکن ان اہم ترین حالات سے جو ان کی وفات کے فوراً بعد پیش آنے والے تھے

۱۔ تاریخ یعقوبی (جلد ۲، صفحات ۵۹۔۶۰ اور صفحہ ۴۴) اور سیرۃ ابن ہشام (جلد ۲، صفحہ ۲۵۱ اور جلد ۴، صفحات ۱۷۳ اور ۲۷۲)
۲۔ تاریخ یعقوبی (جلد ۲، صفحہ ۲۹) تاریخ ابی الفداء (جلد ۱، صفحہ ۱۲۶) اور سیرۃ ابن ہشام (جلد ۲، صفحہ ۹۸)
۳۔ غایت المرام (صفحہ ۶۶۴) مسند احمد حنبل اور دوسری کتابوں سے ماخوذ۔

غفلت برتیں اور اس امر کو جو ایک طرف سے بالکل سادہ اور واضح تھا اور دوسری طرف سے بیحد اہم تھا، ناقابل توجہ سمجھیں اور فطری اور معمولی کاموں مثلاً کھانے پینے اور سونے کے متعلق تو سینکڑوں احکام دیں اور اہم مسئلہ پر سکوت اختیار کریں اور کسی کو اپنا جانشین مقرر نہ کریں۔

اگر بفرض محال ہم اس بات کو تسلیم بھی کرلیں (جسے شیعیت تسلیم نہیں کرتی) کہ شریعت نے اسلامی معاشرہ کا سربراہ مقرر کرنے کا اختیار خود مسلمانوں کو دیدیا تھا، تب بھی یہ لازم تھا کہ رسول اکرمؐ اس امر کی وضاحت فرماتے اور اس کے متعلق ضروری ہدایات دیتے تاکہ لوگ اس مسئلہ کے بارے میں پورے طور پر آگاہ ہوجاتے جس پر اسلامی معاشرہ کی زندگی اور ترقی اور شعائر دین کی بقاء کا دارومدار تھا۔ تاہم اس قسم کی کسی حدیث نبوی یا دینی حکم کا وجود نہیں ہے۔ اگر کوئی ایسی چیز ہوتی تو جن لوگوں نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد عنان اختیار سنبھالی، اس کی مخالفت نہ کرتے جبکہ صورت حال یہ ہے کہ پہلے خلیفہ نے وصیت کے ذریعہ خلافت دوسرے خلیفہ کو منتقل کردی اور دوسرے خلیفہ نے تیسرے خلیفہ کے انتخاب کے لئے ایک چھ رکنی مجلس شوریٰ مقرر کی جس کا طریق کار اور قواعد وضوابط اس نے خود متعین کیے۔ معاویہ نے امام حسنؑ کو صلح کرنے پر مجبور کیا اور یوں خلافت خود سنبھال لی۔ اس واقعہ کے بعد خلافت موروثی سلطنت میں تبدیل ہوگئی۔ رفتہ رفتہ صدر اسلام کے شعائر دین (مثلاً جہاد، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور انسانی اعمال کی حدود) کمزور پڑ گئے بلکہ مسلمانوں کی سیاسی زندگی سے مفقود ہوگئے اور یوں پیغمبر اسلامؐ کی مساعی پر پانی پھر گیا۔

شیعیت نے انسان کی بنیادی فطرت اور غیر منقطع عاقلانہ سیرت کا مطالعہ کیا ہے جو بنی نوع انسان میں زندہ رہی ہے، اس نے اسلام کے بنیادی نظریات پر غور کیا ہے جن کا مقصد فطرت کا احیاء ہے۔ اس نے ان طریقوں کے بارے میں تحقیق کی ہے جو رسول اکرمؐ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے استعمال کیے۔ اس نے ان مصائب کا مطالعہ بھی کیا ہے جو آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد اسلام اور مسلمانوں پر وارد ہوئے اور جن کی کڑیاں ہجرت کے بعد کی ابتدائی صدیوں کی اسلامی حکومتوں کی کوتاہی اور غفلت سے ملتی ہیں۔ اس تمام تحقیق کے بعد یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ امام اور جانشین رسولؐ کے تقرر کے بارے میں آنحضرتؐ کی کافی احادیث موجود ہیں۔ اس نتیجہ پر قرآنی آیات اور متواتر قطعی احادیث مثلاً آیت ولایت، حدیث غدیر، حدیث سفینہ، حدیث ثقلین، حدیث حق، حدیث منزلت، حدیث دعوت عشیرۃ الاقربین وغیرہ دلالت کرتی ہیں۔ تاہم اہل تسنن اور اہل تشیع نے ان

احادیث کو جن میں سے اکثر و بیشتر اہل سنت کے لئے بھی قابل قبول ہیں، یکساں معنی نہیں پہنائے ورنہ جانشینی کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہوتا۔ جہاں اہل تشیع ان احادیث کو رسول اکرمؐ کی جانب سے جانشینی کے متعلق ایک واضح اشارہ سمجھتے ہیں وہاں اہل سنت ان کا مطلب کچھ اور لیتے ہیں اور جانشینی کا مسئلہ وہیں رہ جاتا ہے۔

حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی خلافت کے اثبات کے لئے اہل تشیع مندرجہ ذیل آیت سمیت کئی ایک آیات قرآنی سے استفادہ کرتے ہیں۔

''تمہارا ولی الامر اور صاحب اختیار تو فقط اللہ اور اس کا رسولؐ اور وہ مومنینؑ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکات دیتے ہیں۔''

سنی اور شیعہ محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت علیؑ ابن ابیطالبؑ کی شان میں نازل ہوئی تھی۔ اور بہت سی شیعہ اور سنّی روایات اس خیال کی تائید کرتی ہیں۔ ابو ذر غفاری نے کہا ہے:

''ایک دن ہم نے ظہر کی نماز رسول اکرمؐ کے ساتھ ادا کی۔ ایک سائل نے لوگوں سے سوال کیا لیکن کسی نے اسے کچھ نہ دیا۔ اس پر اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور کہا: یا اللہ! گواہ رہنا کہ نبی کی مسجد میں کسی نے مجھے کچھ نہیں دیا۔''

علیؑ ابن ابی طالبؑ اس وقت رکوع کی حالت میں تھے۔ انہوں نے سائل کو اپنی انگلی سے اشارہ کیا اور وہ آپ کی انگلی سے انگوٹھی اتار کر لے گیا۔ رسول اکرمؐ یہ واقعہ دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اپنا سر آسمان کی جانب بلند کیا اور کہا: ''اے پروردگار! میرے بھائی موسیٰؑ نے تجھ سے کہا تھا: اے پروردگار! میرا سینہ کشادہ کردے اور میرے کام آسان کر اور میری زبان میں روانی عطا فرما تاکہ لوگ میری باتیں سمجھ سکیں، اور میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر اور مددگار بنا پھر وحی نازل ہوئی کہ ہم نے تیرے بھائی کے ذریعہ تمہارے بازو مضبوط کردیے اور ہم تمھیں اختیار اور تسلط عطا کریں گے (سورہ قصص، آیت ۳۵) اے پروردگار! میں بھی تیرا پیغمبر ہوں۔ میرا سینہ کشادہ کر اور میرے کام آسان کردے اور علیؑ کو میرا وزیر اور مددگار بنا۔''

ابوذرؓ کہتے ہیں: ''ابھی رسول اکرمؐ کی بات مکمل نہ ہوئی تھی کہ (مذکورہ بالا) آیت نازل ہوئی'' [۱]

۱۔ طبری۔ ''ذخائر العقبیٰ'' (صفحہ ۱۶، مطبوعہ ۱۶) قاہرہ ۱۳۵۶ھ یہ حدیث معمولی تفاوت کے ساتھ ''الدرالمنثور'' (جلد ۲، صفحہ ۲۹۳) میں بھی نقل کی گئی ہے۔ اس آیت قرآن کے شان نزول کے بارے میں بحرانی نے غایت المرام میں سنی مدارک سے ۲۴، اور شیعہ مدارک سے ۱۹ احادیث نقل کی ہیں۔

ایک اور آیت جسے شیعہ حضرات علیؑ کی خلافت کا ثبوت خیال کرتے ہیں یہ ہے:

"آج کفار تمہارے دین کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے سے مایوس ہوگئے ہیں۔ پس تم ان سے مت ڈرو بلکہ فقط مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے دین کو کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔" (سورہ مائدہ، آیت ۳)

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دن سے پہلے کفار یہ امید رکھتے تھے کہ ایک دن اسلام کا خاتمہ ہوجائے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک کام انجام دیکر ان کی یہ امید ہمیشہ کے لئے خاک میں ملادی۔ یہی واقعہ اسلام کی قوت اور تکمیل کا موجب بنا اور لازمی طور پر یہ واقعہ کسی عام دینی حکم کے اجراء کی مانند کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا بلکہ یہ اتنا اہم تھا کہ اس پر اسلام کی بقا کا دارومدار تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ایک دوسری آیت سے مربوط ہے جو اسی سورہ کے آخر میں ہے۔ وہ آیت یہ ہے:

"اے رسولؐ! جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اور وہ لوگوں تک پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو (سمجھ لو کہ) تم نے اس کا کوئی پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ تمہیں لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔" (سورہ مائدہ، آیت ٦٧)

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم اور بے حد اہم کام رسول اکرمؐ کے سپرد کیا تھا اور اگر اسے انجام نہ دیا جاتا تو اسلام اور نبوت کی بنیاد خطرہ میں پڑ سکتی تھی۔ تاہم معاملہ اتنا اہم تھا کہ آنحضرت کو لوگوں کی مخالفت اور مداخلت کا خوف تھا اور اسی لیے آپ اس کام کی انجام دہی کو التوا میں ڈالے ہوئے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا فوری حکم نازل ہوا کہ اسے بلا تاخیر اور بلا خوف وخطر انجام دیا جائے۔ یہ معاملہ کسی ایک عام دینی حکم کے اجراء کا بھی نہیں تھا کیونکہ کسی ایک یا چند دینی احکام کی تبلیغ اتنی اہم نہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک کی تبلیغ نہ کی جائے تو اسلام تباہ و برباد ہوجائے۔ علاوہ ازیں پیغمبرؐ اسلام دینی قوانین اور احکام کی تبلیغ کے بارے میں کبھی کسی سے خوفزدہ نہیں ہوئے۔

ان اشاروں اور شہادتوں سے اہل تشیع کی روایات کو تقویت ملتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ آیات غدیر کے مقام پر نازل ہوئیں اور ان کا تعلق حضرت علیؑ کی ولایت سے ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے شیعہ اور سنی مفسرین نے اس رائے کی تائید کی ہے۔

”غدیرخم میں رسول اکرمؐ نے لوگوں کو حضرت علیؑ کی طرف دعوت دی اور ان کا بازو پکڑ کر اتنا بلند کیا کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔“ اور پھر یہ آیت نازل ہوئی:

” آج میں نے تمہارے دین کو کامل کردیا اورتم پر اپنی نعمت پوری کردی اورتمہارے لیے دین اسلام پسند کیا۔“

پھر رسول اکرمؐ نے فرمایا:

اللہ اکبر کہ دین کامل ہوگیا ہے اور اللہ کی نعمت پوری ہوگئی ہے اور اس کی خوشنودی حاصل ہوگئی ہے اور ہمارے بعد علیؑ کی ولایت کی توثیق ہوگئی ہے۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا:

”جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ بھی مولا ہے۔ اے پروردگار! علیؑ کے دوستوں کو دوست رکھ اور اس کے دشمنوں کو دشمن۔ جو کوئی اس کی مدد کرے اس کی مدد کر اور جو کوئی اس کو چھوڑ دے تو بھی اسے چھوڑ دے۔“[۱]

مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے جن دشمنوں نے اسے تباہ وبرباد کرنے کے لئے پورا زور لگادیا تھا جب ان کی اس مقصد کے حصول کی تمام امیدیں ختم ہوگئیں تو ان کے دلوں میں فقط ایک امید باقی رہ گئی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ چونکہ اسلام کے سرپرست اورنگہبان رسول اکرمؐ ہیں اس لیے جب وہ رحلت فرمائیں گے تو اسلام کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا اور یہ یقیناً معدوم ہوجائے گا، تاہم غدیرخم کے مقام پر ان کی یہ امید بھی غلط ثابت ہوئی تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو لوگوں کے سامنے اسلام کے منتظم و پیشوا کے طور پر پیش کردیا۔ حضرت علیؑ کے بعد پیشوائی اور رہنمائی کی سنگین اورضروری ذمہ داری ان کی اولاد کے کندھوں پر ڈالی جانی تھی۔[۲]

ذیل میں کچھ ایسی احادیث نقل کی جاتی ہیں جن کا تعلق غدیرخم، حضرت علیؑ کی ولایت اور اہل بیت رسولؐ کی اہمیت سے ہے۔

حدیث غدیر

حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت رسول اکرمؐ نے غدیر کے مقام پر توقف فرمایا، مسلمانوں کو جمع کیا

۱۔ بحرانی نے غایت المرام (صفحہ ۳۳۶) میں سنی مدارک سے ۶ اور شیعہ مدارک سے ۱۵ احادیث اس آیت کی شان نزول کے بارے میں نقل کی ہیں۔

۲۔ مزید توضیح کے لئے علامہ طباطبائی کی تفسیر المیزان (جلد ۵ صفحات ۱۷۷ تا ۲۱۴، اور جلد ۶ صفحات ۵۰ تا ۶۴) مطبوعہ تہران ۱۳۷۷ھ ملاحظہ کریں۔

اور ایک خطبہ دینے کے بعد حضرت علیؑ کی مسلمانوں کے رہنما اور پیشوا کی حیثیت سے نامزدگی کا اعلان فرمایا:

براء کہتے ہیں

میں حجۃ الوداع کے سفر میں رسول اکرمؐ کے ہمراہ تھا۔ جب ہم غدیر خم پہنچے تو آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ اس جگہ کو صاف کیا جائے۔ پھر آپؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنے دائیں جانب کھڑا کیا اور فرمایا: ''کیا میں تم لوگوں پر اختیار رکھتا ہوں؟''

لوگوں نے جواب دیا

''آپ کو ہم پر اختیار حاصل ہے۔''

پھر آپؐ نے فرمایا:

''جس کا میں مولا ہوں، اس کا علیؑ بھی مولا ہے۔ اے پروردگار! علیؑ کے دوستوں کو دوست اور اس کے دشمنوں کو دشمن رکھ۔''

عمر بن خطاب نے علیؑ سے کہا: آپ کو یہ منصب مبارک ہو کیونکہ آپ میرے اور سب مومنینؑ کے مولا ہو گئے ہیں۔''[۱]

حدیث سفینہ

ابن عباس کہتے ہیں: رسول اکرمؐ نے فرمایا:

''میرے اہل بیتؑ کی مثال کشتی نوحؑ کی سی ہے۔ جو کوئی اس کشتی میں سوار ہو جائے گا بچ جائے گا اور جو کوئی اس سے منہ موڑے گا غرق ہو جائے گا۔''[۲]

۱۔ البدایہ والنہایہ (جلد ۵، صفحہ ۲۰۸ اور جلد ۷، صفحہ ۳۴۶) ذخائر العقبیٰ (صفحہ ۶۷) ''الفصول المہمہ'' (ابن صباغ (جلد ۲، صفحہ ۲۳) مطبوعہ نجف ۱۶۵۰ء خصائص نسائی (صفحہ ۳۱) مطبوعہ نجف ۱۳۶۹ھ

بحرانی نے ''غایت المرام'' (صفحہ ۷۹) میں اس حدیث کے لئے اہل سنت سے راویوں کے ۸۹ سلسلہ میں اور اہل تشیع سے ۴۳ سلسلہ نقل کئے ہیں۔

۲۔ ذخائر العقبیٰ (صفحہ ۲۰) الصواعق المحرقہ'' ابن حجر (صفحات ۱۵۰ تا ۱۸۴) مطبوعہ قاہرہ ۱۳۱۲ھ۔ ''تاریخ الخلفاء'' جلال الدین سیوطی (صفحہ ۳۰۷) مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۲ء ''نور الابصار'' شبلنجی (صفحہ ۱۱۴) مطبوعہ قاہرہ ۱۳۱۲ھ۔ ''غایت المرام'' (صفحہ ۲۳۷) میں بحرانی نے اس حدیث کے لئے اہل سنت راویوں کے گیارہ اور اہل تشیع کے سات سلسلہ نقل کیے ہیں۔

حدیث ثقلین

زید بن ارقم نے بیان کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

''یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے پاس آنے کی دعوت دی ہے اور میرے لیے ضروری ہے کہ اس دعوت کو قبول کرلوں لیکن میں تمہارے درمیان دو بہت بڑی اور قیمتی چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں۔ ان میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میرے اہلبیت ہیں۔ اس بات کا خیال رکھو کہ تم ان کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہو۔ یہ دونوں چیزیں ہرگز ایک دوسرے جدا نہ ہوں گی حتیٰ کہ (جنت میں) کوثر پر میرے پاس آپہنچیں۔''[۱]

حدیث ثقلین مسلّم اور قطعی حدیثوں میں سے ہے جو بہت سی سندوں اور مختلف عبارتوں کے ساتھ روایت کی گئی ہے اور سنی اور شیعہ اس کی صحت کے بارے میں متفق ہیں۔ اس حدیث سے اور اس جیسی دوسری حدیثوں سے کئی اور باتوں کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔ جیسا کہ قرآن مجید قیامت کے دن تک باقی رہے گا اسی طرح عترت رسولؐ بھی قیامت تک باقی رہے گی، یعنی کوئی زمانہ بھی حقیقی پیشوا سے خالی نہیں رہے گا جسے شیعہ ''امام'' کہتے ہیں۔

۲۔ رسول اکرمؐ نے ان دو عظیم امانتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی تمام علمی اور دینی ضروریات پوری کردی ہیں۔ آپؐ نے اپنے اہل بیتؑ کا تعارف مرجع علمی کی حیثیت سے کرایا ہے اور ان کے اقوال اور اعمال کے معتبر ہونے کی توثیق کردی ہے۔

۳۔ قرآن مجید اور اہل بیتؑ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے اور کسی مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اہل بیت رسولؐ کے علوم کو رد کردے اور ان کے احکام اور ہدایات سے روگردانی کرے۔

۴۔ اگر لوگ اہلبیتؑ کی اطاعت کریں اور ان کی ہدایت کی پیروی کریں تو وہ کبھی گمراہ نہیں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کے ساتھ ہوگا۔

۵۔ لوگوں کی تمام ذہنی اور دینی ضروریات کا جواب اہلبیتؑ کے پاس موجود ہے جو کوئی ان کی پیروی کرے وہ گمراہی میں نہیں پڑسکتا اور حقیقی خوش بختی سے ہمکنار ہوتا ہے یعنی اہلبیتؑ ہر قسم کی غلطی اور خطا سے پاک اور معصوم ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ''اہلبیتؑ'' اور ''عترت'' سے مراد

۱۔ ''البدایہ والنہایہ'' (جلد ۵، صفحہ ۲۰۹) ''ذخائر العقبیٰ'' (صفحہ ۱۶) الفصول المہمہ'' (صفحہ ۲۲) ''خصائص'' (صفحہ ۳۰) ''الصواعق المحرقہ'' (صفحہ ۱۴۷) ''غایت المرام'' یہ حدیث سنی مدارک سے ۳۹ طرق اور شیعہ مدارک سے ۸۲ طرق سے نقل کی گئی ہے۔

آنحضرتؐ کی تمام اولاد اور اقربا نہیں ہیں بلکہ کچھ مخصوص افراد ہیں جو علوم دین پر کامل دسترس رکھتے ہیں اور ہر قسم کی غلطی اور گناہ سے پاک ہیں تاکہ وہ لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کر سکیں۔ یہ اولاد رسول یکے بعد دیگرے منصب امامت پر فائز ہوئے۔ اس نقطۂ نگاہ کی تائید روایات سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً ابن عباس نے کہا ہے:

''میں نے رسول اللہؐ سے پوچھا: آپؐ کے وہ اقربا کون ہیں جن سے محبت رکھنا واجب ہے؟''

آپؐ نے فرمایا:

''علیؑ''، فاطمہؑ'' حسنؑ اور حسینؑ [۱]

جابر نے روایت کی ہے، رسول اکرمؐ نے فرمایا:

'' اللہ نے ہر نبی کی ذریت کو اس کی صلب میں قرار دیا ہے لیکن اس نے میری ذریت کو علیؑ کی صلب میں قرار دیا ہے۔'' [۲]

حدیث حق

امّ المومنین امّ سلمہ (س) بیان کرتی ہیں:

'' میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ علیؑ حق اور قرآن کے ساتھ ہے اور حق اور قرآن بھی علیؑ کے ساتھ ہیں اور وہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے حتیٰ کہ میرے پاس کوثر پر پہنچیں۔'' [۳]

حدیث منزلت

سعد بن ابی وقاص نے کہا ہے: رسول اللہؐ نے علیؑ سے فرمایا:

''کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارونؑ کو موسیٰ سے تھی بجز اس کے میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔'' [۴]

۱۔ ''ینابیع المودۃ'' سلیمان ابن ابراہیم قندوزی (صفحہ ۳۱۱) مطبوعہ تہران ۱۳۰۸ھ ۲۔ ''ینابیع المودۃ'' (صفحہ ۳۱۸)

۳۔ غایت المرام'' (صفحہ ۵۳۹) جس میں اس حدیث کا ماحصل سنی مدارک سے ۱۵ طرق اور شیعہ مدارک سے ۱۱ طرق سے نقل کیا گیا ہے۔

۴۔ '' البدایہ والنہایہ'' (جلد ۷، صفحہ ۳۳۹) '' ذخائر العقبیٰ'' (صفحہ ۶۳) ''العقول المہمہ'' (صفحہ ۱۲) ''کفایت الطالب'' کنجی شافعی'' (صفحات ۱۴۸ تا ۱۵۴) مطبوعہ نجف ۱۳۵۶ھ ''خصائص'' (صفحات ۱۹ تا ۲۵) '' صواعق المحرقہ'' (صفحہ ۱۷۷) ''غایت المرام'' (صفحہ ۱۰۹ میں یہ حدیث سنی مدارک سے ۱۰۰ طریقوں سے اور شیعہ مدارک سے ۷۰ طریقوں سے نقل کی گئی ہے۔

حدیث دعوت ذو العشیرہ

رسول اکرمؐ نے اپنے اعزا واقربا کو کھانے کی دعوت دی اور جب سب لوگ کھانا کھا چکے تو ان سے فرمایا:

''مجھے کسی ایسے شخص کا علم نہیں جو اپنی قوم کے لئے اس سے بہتر چیز لایا ہو جو میں تمہارے لیے لایا ہوں۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف بلاؤں۔ تم میں ایسا کون ہے جو اس معاملہ میں میری مدد کرے اور تمہارے درمیان میرا بھائی، وصی اور خلیفہ ہو۔''

سب خاموش رہے لیکن حضرت علیؑ نے، جو عمر میں سب سے چھوٹے تھے، عرض کیا: ''میں آپ کا وزیر اور مددگار بنوں گا۔''

پھر رسول اکرمؐ نے اپنا ہاتھ ان کی گردن پر رکھا اور باقی لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

''یہ میرا بھائی، وصی اور خلیفہ ہے تمہیں چاہئے کہ اس کی اطاعت کرو۔''

اب وہ لوگ رخصت ہونے لگے۔ وہ ہنس رہے تھے اور ابو طالب سے کہہ رہے تھے:

''محمدؐ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اپنے بیٹے کی اطاعت کرو۔''[۱]

حذیفہ نے کہا ہے: رسول اکرمؐ نے فرمایا:

''اگر تم علیؑ کو میرا خلیفہ اور جانشین بنالو، اور میرا خیال ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے، تو تم ایک با بصیرت رہنما پاؤ گے جو تمہیں سیدھے راستہ کی جانب چلائے گا۔''[۲]

ابن مردویہ نے کہا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

''جو شخص میری جیسی زندگی اور موت چاہے اور بہشت میں داخل ہونے کی خواہش کرے اسے چاہئے کہ میرے بعد علیؑ سے محبت کرے اور میرے اہلبیتؑ کی پیروی کرے کیونکہ وہ میری عترت ہیں اور میری طینت سے پیدا کیے گئے ہیں اور میرا علم اور فہم انہیں عطا کیا گیا ہے۔ پس وائے ہے ان لوگوں کے حال پر جو ان کی فضیلت سے انکار کریں۔ ایسے لوگوں کو (قیامت کے دن) میری شفاعت ہرگز نصیب نہ ہوگی۔''[۳]

۱۔ ''تاریخ ابی الفداء'' (جلد ۱، صفحہ ۱۱۶) ۲۔ ''حلیۃ الاولیاء'' ابونعیم اصفہانی (جلد ۱، صفحہ ۶۴) مطبوعہ قاہرہ ۱۳۵۱ھ اور ''کفایت الطالب'' (صفحہ ۶۷)

۳۔ منتخب کنز العمال مسند احمد کے حاشیے پر (جلد ۵، صفحہ ۹۴) مطبوعہ قاہرہ ۱۳۶۸۔

سابقہ بیان کی تائید میں

رسول اکرمؐ کی جانشینی کے بارے میں اہل تشیع کی دلیل زیادہ تر اس اعتقاد پر مبنی ہے کہ اپنی بیماری کے آخری ایام میں جب کچھ صحابہ بھی موجود تھے، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کاغذ اور دوات لائی جائے[۱] تاکہ میں ایک ایسی چیز لکھوا دوں جس کی پیروی کرنے پر لوگ گمراہ نہ ہوں ۔ جو لوگ موجود تھے ان میں سے بعض نے یہ خیال ظاہر کیا کہ آپ اس قدر علیل ہیں کہ کوئی چیز لکھوانے کے قابل نہیں، چنانچہ انہوں نے کہا: ''ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔'' اس معاملہ پر اس قدر شوروغل مچا کہ آنحضرتؐ نے سب کو چلے جانے کا حکم دیا کیونکہ ایک نبیؐ کی موجودگی میں شوروغل برپا کرنا جائز نہیں۔

جانشینی کے متعلق احادیث کے بارے میں جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اور جو واقعات رسول اکرمؐ کی رحلت کے بعد رونما ہوئے، ان کی بنا پر اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے آنحضرتؐ کے جانشین کے بارے میں حضرت علیؑ سے کوئی مشورہ نہیں لیا گیا۔ شیعہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ اپنے جانشین کے متعلق اپنی قطعی رائے کا اظہار کرنا چاہتے تھے لیکن آپؐ ایسا نہ کرسکے۔

چند حاضرین نے جو کلمات کہے ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انکا مقصد الجھن پیدا کرنا تھا تاکہ آنحضرتؐ اپنے حتمی فیصلہ کا اعلان نہ کرسکیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے کلام کو قطع کرنے کا مقصد وہ نہیں تھا جو بظاہر نظر آتا ہے یعنی یہ کہ مبادا بیماری کی شدت کیوجہ سے آپؐ کوئی مہمل الفاظ کہہ دیں کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ رعلالت کے دوران آپ کو کوئی مہمل اور بے معنی الفاظ ادا کرتے نہیں سنا گیا اور ان سے متعلق کوئی ایسی چیز روایت بھی نہیں کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اسلام کے اصولوں کے مطابق نبی معصوم ہوتا ہے اور اس پر ہذیانی کیفیت ہرگز طاری نہیں ہوتی۔

دوم یہ کہ بعض حاضرین نے اس موقع پر رسول اکرمؐ کے سامنے جو کچھ کہا اگر وہ اس کے متعلق سنجیدہ تھے تو پھر دوسرا جملہ (یعنی ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے) کہنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ممکن ہے آنحضرتؐ کوئی مہمل چیز کہیں ان کی بیماری کی دلیل دی جانی چاہئے تھی۔ نہ یہ کہ قرآن مجید کے ہوتے ہوئے ارشادات رسولؐ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ کسی مسلمان

۱۔ البدایہ والنہایہ (جلد ۵،صفحہ ۲۲۷) الکامل (جلد ۲ ،صفحہ ۲۱۷) تاریخ طبری (جلد ۲،صفحہ ۴۳۶) شرح نہج البلاغہ ۔ ابن ابی الحدید (جلد ۱، صفحہ ۱۳۳)

سے یہ بات مخفی نہیں ہوسکتی تھی کہ خود قرآن مجید نبیؐ کو واجب الاطاعت قرار دیتا ہے اور ایک لحاظ سے اس کے کلام کو اللہ کا کلام گردانتا ہے ۔ قرآن مجید کے مطابق مسلمانوں کیلئے ضروری ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ دونوں کے احکامات کی اطاعت کریں۔

سوم یہ کہ ایسی ہی بیماری کی صورت پہلے خلیفہ کی زندگی کے آخری دنوں میں بھی پیدا ہوگئی تھی اور انہوں نے اپنی آخری وصیت میں دوسرے خلیفہ کو اپنا جانشین نامزد کردیا تھا۔ جب خلیفہ کے مطابق عثمان ان کی وصیت لکھ رہے تھے تو خلیفہ کو غش آگیا تاہم 'حدیث قلم وقرطاس' کے مطابق جو الفاظ دوسرے خلیفہ نے رسول اکرمؐ کے متعلق کہے تھے، اس موقع پر نہیں دہرائے ۔[۱]

اس امر کی تصدیق ابن عباس کی روایت کردہ ایک حدیث میں کی گئی ہے۔[۲] اور دوسرے خلیفہ کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے کہا:

"علیؑ خلافت کے مستحق تھے لیکن قریش ان کی خلافت کو برداشت نہ کرتے کیونکہ اگر وہ خلیفہ بن جاتے تو لوگوں کو دین حق اور راہ راست پر چلاتے۔ ان کے خلیفہ ہوتے ہوئے وہ (قریش) عدل وانصاف کی حدود کو نہ پھلانگ سکتے اور ان کے خلاف جنگ پر کمربستہ ہوجاتے۔[۳]

بلاشبہ دینی اصولوں کے مطابق یہ ضروری ہے کہ جو شخص حق سے ہٹ گیا ہو اسے حق کی پیروی کرنے پر مجبور کیا جائے۔ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ جو شخص حق کے خلاف چلے اس کی خاطر حق کو ترک کردیا جائے ۔ جب پہلے خلیفہ کو اطلاع دی گئی۔[۴] کہ مسلمان قبیلوں نے زکات دینے سے انکار کردیا ہے تو انہوں نے جنگ کا حکم دے دیا اور کہا " اگر وہ لوگ مجھے وہ محصول ادا نہیں کریں گے جو رسول اللہؐ کو ادا کرتے تھے تو میں ان کے خلاف جنگ کروں گا۔" ظاہر ہے کہ یہ کہنے سے ان کا یہ مطلب تھا کہ حق وانصاف کا احیاء ہر قیمت پر ضروری ہے۔ بلاشبہ خلافت حقہ کا مسئلہ محصول سے زیادہ اہم تھا اور شیعہ یہ خیال کرتے ہیں کہ جس اصول کا اطلاق پہلے خلیفہ نے محصول کے معاملہ پر کیا تھا اسی کا اطلاق ساری امت کو رسول اکرمؐ کی جانشینی کے مسئلہ پر کرنا چاہئے تھا۔

امامت اور معارف الٰہیہ کے بارے میں اس کا کردار

معرفت نبی کی بحث کے سلسلہ میں یہ کہا گیا تھا کہ عام ہدایت کے ناقابل تغیر اور ضروری قانون کے

۱۔ الکامل (جلد ۲، صفحہ ۲۹۲) اور شرح نہج البلاغہ۔ ابن ابی الحدید (جلد ۱، صفحہ ۵۴) ۲۔ شرح نہج البلاغہ۔ ابن ابی الحدید (جلد ۱، صفحہ ۳۴)
۳۔ تاریخ یعقوبی (جلد ۲، صفحہ ۱۳۷) ۴۔ البدایہ والنہایہ (جلد ۶، ۳۱۱)

مطابق جو انواع پیدا کی گئی ہیں ان میں سے ہر ایک کی رہنمائی تکوین اور تخلیق کے راستہ سے اس کی اپنی نوع کے کمال اور خوش بختی کی جانب کی جاتی ہے ۔نوع انسانی بھی اس عام قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے اور ضروری ہے کہ واقع بيني اور معاشرتی انداز فکر کی جبلت کے ذریعہ اس کی اس طرح رہنمائی کی جائے کہ وہ اس دنیا میں بھی خوش بختی سے ہمکنار ہوسکے۔ دوسرے الفاظ میں یہ ضروری ہے کہ انسانی خوش بختی اور کمال حاصل کرنے کے لیے انسان کچھ اعتقادات اور ذمہ داریاں اور اپنی زندگی کے طور اور طریقہ ان کے مطابق بنائے ۔ یہ بھی کہا گیا تھا کہ زندگی کے اس لائحہ عمل کو جسے ’دین‘ کہا جاتا ہے عقل کے ذریعہ نہیں بلکہ وحی اور نبوت کے ذریعہ سمجھا جاسکتا ہے جو جہان بشریت کے کچھ ایسے پاک بندوں کے لئے مخصوص ہیں جنہیں انبیاء یا اللہ کے پیغمبر کہا جاتا ہے ۔ یہ پیغمبر ہی ہیں جو وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے بہ حیثیت انسان ، انسان کی ذمہ داریوں کا علم حاصل کرتے ہیں اور انھیں انسانوں تک پہنچاتے ہیں تا کہ وہ ان ذمہ داریوں کو پورا کرکے خوش بختی سے ہمکنار ہوسکیں۔

ظاہر ہے کہ جس طرح یہ دلیل خوش بختی اور کمال کے حصول کی جانب انسان کی رہنمائی کے لئے علم کی ضرورت کو ثابت کرتی ہے، اسی طرح یہ ان افراد کی ضرورت کو بھی ثابت کرتی ہے جو اس لائحہ عمل کی اس کی اصلی شکل میں حفاظت کرسکیں اور حسب ضرورت اسے لوگوں تک پہنچاسکیں۔جس طرح اللہ کے لطف وعنایت کی رو سے یہ ضروری ہے کہ کچھ ایسے اشخاص پیدا ہوں جو انسان کی ذمہ داریوں کا علم بذریعہ وحی حاصل کریں اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیں۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ یہ ذمہ داریاں ہمیشہ کے لئے دنیا میں محفوظ رہیں اور جب کبھی ضرورت ہو بنی نوع انسان کے سامنے پیش کی جائیں اور ان کی تعلیم دی جائے۔ دوسرے لفظوں میں ایسے افراد ہمیشہ موجود ہوں جو اللہ کے دین کی حفاظت کریں اور بوقت ضرورت اسے بیان کریں۔

جس طرح وحی اور نبوت کی روح کا حامل شخص جو اللہ تعالیٰ سے احکام اور قوانین حاصل کرتا ہے نبی کہلاتا ہے، اسی طرح پیغام خداوندی بذریعہ وحی نازل ہوجانے کے بعد جس شخص کے ذمہ اس کی حفاظت اور نگہداشت ہوتی ہے اور جسے اللہ تعالیٰ اس مقصد کے لئے منتخب فرماتا ہے وہ امام کہلاتا ہے۔ ممکن ہے کہ نبوت اور امامت ایک شخص میں جمع ہوجائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ الگ الگ ہوں۔[۱]

۱۔ یہاں امامت کا ذکر ائمہ اہل تشیع کے بارے میں مخصوص تصور کے مطابق ہے اور اہل سنت کی عام روش کے مطابق نہیں جو اکثر وبیشتر ’امام‘ کا لفظ خلیفہ کے لئے استعمال کرتے ہیں ۔ (ناشر)

نیز جو دلیل پیغمبرؐ کی عصمت کو ثابت کرنے کے لئے دی گئی ہے وہ اماموں کی عصمت کو بھی ثابت کرتی ہے کیونکہ یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقیقی دین کو صحیح وسالم اور ایسی حالت میں رکھے کہ لوگوں میں ہمیشہ اس کی تبلیغ ہوسکے اور یہ مقصد خطا کے مقابلہ میں خداوندی حفاظت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔

نبی اور امام کے درمیان فرق

انبیاء کے خداوندی احکام اور قوانین کے حصول کے بارے میں جو دلیل دی گئی ہے وہ فقط وحی آسمانی احکام کے حصول کے اصول کو ثابت کرتی ہے کہ یہ احکام مسلسل اور ہمیشہ نازل ہوتے رہیں گے۔ اس کے برعکس امام چونکہ دین خدا وندی کا محافظ ہے اس لئے انسانی معاشرہ کو اس کی مسلسل ضرورت رہتی ہے، خواہ لوگ اسے پہچانیں یا نہ پہچانیں۔ انسانی معاشرہ اس ہستی سے خالی نہیں رہ سکتا جسے شیعہ امام کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

"اگر یہ لوگ ہماری ہدایت پر ایمان نہیں رکھتے تو ہم نے ہدایت کو ایسے لوگوں (یعنی اماموں) کے سپرد کردیا ہے جو اس میں ہرگز تخلف نہیں کرتے۔" (سورہ انعام، آیت ۹۰)

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے بعض اوقات نبوت اور امامت کے منصب ایک ہی شخص میں جمع ہوجاتے ہیں اور قانون خداوندی کا حصول اور اس کی نگہداشت اس کے سپرد کردی جاتی ہے اور بعض اوقات انہیں ایک دوسرے سے الگ کردیا جاتا ہے۔ مثلاً بعض ادوار میں کوئی نبی نہیں ہوتا لیکن امام برحق ہر دور میں موجود ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ انبیاء کی تعداد محدود ہے اور ہر دور میں نبی موجود نہیں رہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بعض انبیاء کا تعارف بطور امام کرایا ہے مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے:

" جب ابراہیمؑ کو ان کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا اور انہوں نے وہ پوری کردیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہیں لوگوں کا پیشوا اور امام بنانے والا ہوں۔"

(حضرت ابراہیمؑ نے) عرض کیا: "اور میری اولاد میں سے؟" فرمایا: "(ہاں مگر) میرے اس عہدہ پر ظالموں میں سے کوئی شخص فائز نہیں ہوسکتا۔" (سورہ بقرہ، آیت ۱۲۴)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: ''اور ہم نے ان کو سب (لوگوں کا) امام (پیشوا) بنایا جو کہ ہمارے حکم سے ان کی ہدایت کرتے تھے۔'' (سورہ انبیاء، آیت ۷۳)

امامت اور دین کے باطنی اعمال

جس طرح امام لوگوں کے ظاہری اعمال کے بارے میں ان کا رہنما اور پیشوا ہوتا ہے، اسی طرح وہ ان کی اندرونی اور باطنی پیشوائی اور رہنمائی بھی کرتا ہے۔ وہ انسانیت کے اس قافلہ کا سالار ہے جو باطن کی راہ سے اللہ کی جانب حرکت کرر ہا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل دو تمہیدی وضاحتوں پر توجہ دینی چاہیئے:

اول: اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام اور دوسرے آسمانی مذاہب کی نظر میں انسان کی حقیقی اور ابدی نیک بختی یا بدبختی کا موجب اس کے اچھے اور برے اعمال ہیں جن کے بارے میں وہ اپنی خداداد فطرت کے ذریعہ بھی فیصلہ کرسکتا ہے۔ وحی اور نبوت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے خود ہم انسانوں کی زبان میں اور ہمارے معاشرہ کی مناسبت سے انسانی اعمال کی اچھائی یا برائی بیان کی ہے۔ اس نے ان لوگوں سے جو اچھے کام کرتے ہیں ایک ابدی خوش بختانہ زندگی کا وعدہ کیا ہے جس میں وہ تمام خواہشات پوری ہوں گی جو انسانی کمال سے مطابقت رکھتی ہوں۔ جہاں تک بدکاروں اور ظالموں کا تعلق ہے انہیں ایک ایسی تلخ جاودانی زندگی کی خبر دی گئی ہے جس میں انہیں ہر قسم کی بدبختی اور ناکامی سے دوچار ہونا پڑے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کردگار عالم جو ہر لحاظ سے ہمارے تصور سے بالاتر ہے ہماری طرح ایک ایسا انداز فکر نہیں رکھتا جو ایک مخصوص سماجی ڈھانچہ میں ڈھلا ہوا ہو۔ خادم اور مخدوم، حاکم اور محکوم، امر اور نہی اور جزا و سزا کے رشتے ہماری معاشرتی زندگی کے باہر کوئی وجود نہیں رکھتے۔

خدائی نظام تخلیق ہے جس میں ہر چیز کی ہستی اور پیدائش حقیقی روابط کے مطابق اللہ کی خلاقیت سے تعلق رکھتی ہے اور بس۔ علاوہ ازیں جیسا کہ قرآن[۱] اور احادیث نبوی میں اشارہ کیا گیا ہے دین ایسے حقائق اور معارف پر مشتمل ہے جو عام انسانی فہم سے بالاتر ہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہماری عقل کی سطح کے مطابق اور ایک ایسی زبان میں جسے ہم سمجھ سکیں ہمارے لیے نازل فرمایا ہے۔

۱۔ مثلاً: ''کتاب مبین کی قسم ہم نے اس کتاب کو عربی زبان میں نازل کیا تا کہ تم سمجھو۔ بے شک یہ (قرآن) ام الکتاب میں (بھی جو) ہمارے پاس ہے، محفوظ ہے جو بڑے رتبہ کی اور حکمت سے پُر ہے۔'' (سورہ زخرف، آیت ۲ تا ۴)

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اچھے اور برے اعمال اور انسان کی آئندہ جاودانی زندگی کے مابین ایک حقیقی رشتہ ہے۔ ایک ایسا رشتہ جو اللہ کی مرضی کے مطابق آئندہ کی خوشگوار زندگی متعین کرتا ہے یا زیادہ سادہ الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر اچھا یا برا فعل انسان کی روح پر ایک حقیقی اثر ڈالتا ہے جس سے اس کی آئندہ زندگی کی نوعیت متعین ہوتی ہے۔ انسان سمجھے یا نہ سمجھے اس کی کیفیت ایک ایسے بچہ کی سی ہوتی ہے جسے تربیت دی جا رہی ہو۔ بچہ استاد کی ہدایت سے بجز اس کے اور کچھ نہیں سمجھتا کہ یہ کام کرو یا یہ کام نہ کرو اور جو کام وہ کرتا ہے ان کی حقیقت سے نا آشنا ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ بڑا ہوجاتا ہے تو ان اچھی ذہنی اور روحانی صلاحیتوں کی وجہ سے جو وہ تربیت کے دنوں میں اپنے اندر پیدا کرلیتا ہے وہ ایک خوشگوار معاشرتی زندگی گزارنے کے قابل ہوجاتا ہے تاہم اگر وہ استاد کی ہدایات پر عمل کرنے سے انکارکردے تو سوائے بدبختی کے اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یا انسان ایک ایسے مریض کی مانند ہوتا ہے جو ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق دوائیں اور خوراک استعمال کرتا ہے اور مخصوص ورزش کرتا ہے اور ڈاکٹر کا حکم ماننے کے علاوہ اسے کسی چیز سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ چنانچہ احکام کی اس بجا آوری کے نتیجہ میں اس کے بدن میں ایک توازن پیدا ہوجاتا ہے جو صحت کی بحالی اور ہر قسم کی خوشی اور جسمانی لطف اٹھانے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس ظاہری زندگی کے اندر انسان ایک باطنی یا روحانی زندگی بھی رکھتا ہے جس کا تعلق اس کے اعمال سے ہوتا ہے اور جو ان اعمال کے مطابق نشوونما پاتی ہے اور یہ کہ آخرت میں اس کی خوش بختی اور بدبختی کا انحصار مکمل طور پر اس باطنی زندگی پر ہوتا ہے۔

قرآن مجید بھی اس نظریہ کی تائید کرتا ہے[۱] اور بہت سی آیات کے مطابق اس امر کا قائل ہے کہ ایماندار اور نیکو کار لوگوں کو ایک اور زندگی اور ایک اور روح میسر ہوگی اور وہ زندگی موجودہ زندگی

۱۔ مثلاً یہ آیات: ”ہر شخص (ہمارے سامنے) اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک (فرشتہ) ہنکانے والا اور ایک (اعمال کا) گواہ ہوگا (اس سے کہا جائے گا) کہ اس (دن) سے تو غفلت میں مبتلا تھا۔ اب ہم نے تیرے سامنے سے پردے ہٹادیے تو آج بڑی تیز ہے۔“ (سورہ ق، آیات ۲۱۔ ۲۲) ”مرد ہو یا عورت، جو شخص نیک کام کرے گا اور ایماندار بھی ہوگا ہم اسے (دنیا میں بھی) پاک وپاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں بھی) جو کچھ وہ کرتا تھا اس کا اچھے سے اچھا اجر دیں گے۔“ (سورہ نحل، آیت ۹۷) اے ایمان والو! جب ہمارا رسول تمہیں ایسے کام کے لئے بلائے جو تمہاری روحانی زندگی کا باعث ہو تو تم اللہ اور رسولؐ کا حکم دل سے قبول کرلو۔“ (سورہ انفال، آیت ۲۴) ”(اس دن کو یاد رکھو) جس دن ہر شخص کہ جس نے دنیا میں کوئی نیکی کی ہے اور جو برائی کی ہے اسے موجود پائے گا۔“ (سورہ آل عمران، آیت ۳۰) ”ہم ہی یقیناً مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور جو کچھ لوگ پہلے کرچکے ہیں (اسے) اور ان کی (اچھی یا بری باقیماندہ) نشانیوں کو لکھتے جاتے ہیں۔“ (سورہ یٰسین، آیت ۱۲)

سے بہتر اور وہ روح موجودہ روح سے زیادہ درخشاں ہوگی۔ وہ یہ بات بھی وثوق سے کہتا ہے کہ انسان کے اعمال اسکی روح پر باطنی اثرات ڈالتے ہیں جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ احادیث نبوی میں بھی متعدد مرتبہ اس نکتہ کی جانب اشارہ کیا گیا ہے مثلاً حدیث معراج میں اللہ تعالیٰ رسول اکرمؐ سے فرماتا ہے:

''جو شخص میری مرضی کے مطابق عمل کرنا چاہے اس میں تین خصوصیتیں ہونی چاہئیں ۔ اسے ایسی شکر گزاری کا اظہار کرنا چاہیئے، جس میں جہالت کی آلائش نہ ہو اور ایک ایسی یاد کا جس پر فراموشی کی گرد و نہ جمے اور ایک ایسی محبت کا جس میں وہ مخلوق کی محبت کو میری محبت پر ترجیح نہ دے۔ اگر وہ مجھ سے محبت کرے گا تو میں بھی اس سے محبت کروں گا ۔ میں اس کے دل کی آنکھ اپنے جلال کے نظارہ سے کھول دوں گا اور اپنی مخلوق کی صفات اس سے پوشیدہ نہیں رکھوں گا۔ میں اسے رات کے اندھیرے اور دن کی روشنی میں اپنا رازداں بناؤں گا۔ میں اسے فرشتوں کے الفاظ سناؤں گا۔ میں نے جو راز اپنی مخلوق سے پوشیدہ رکھا ہے وہ اس پر ظاہر کردوں گا۔ میں اسے حیاء کی خلعت پہناؤں گا حتیٰ کہ مخلوق اس سے شرمانے لگے گی ۔ وہ زمین پر اس حالت میں چلے گا کہ اسے معاف کردیا گیا ہوگا۔ میں اس کے دل کو احساس اور بصیرت بخشوں گا اور اس سے بہشت اور دوزخ کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھوں گا۔ میں اسے اس خوف اور مصیبت سے مطلع کروں گا جس سے لوگ قیامت کے دن دوچار ہوں گے۔''[۱]

ابوعبداللہ علیہ السلام نے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے حارث ابن مالک ابن نعمان کو شرف ملاقات بخشا اور اس سے دریافت کیا:

''اے حارث ! تمہارا کیا حال ہے؟''

اس نے جواب دیا:

''یا رسول اللہؐ میں ایک سچے مومن کی طرح زندگی گزار رہا ہوں ۔''

آنحضرتؐ نے فرمایا:

''ہر چیز کی اپنی اصلیت ہوتی ہے ۔ جو کچھ تم نے کہا ہے اس کی اصلیت کیا ہے؟''

۱۔ بحار الانوار (جلد ۷، صفحہ ۹)

اس نے جواب دیا:

''یا رسول اللہ! میں نے دنیا سے منہ موڑلیا ہے۔ میری راتیں جاگتے ہوئے اور میرے دن پیاس کی حالت میں گزرتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا میں اپنے پروردگار کے عرش پر نظریں جمائے ہوئے ہوں اور حساب وکتاب طے ہوگیا اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا میں بہشت کے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو ایک دوسرے سے ملاقات کررہے ہیں اور دوزخ کے لوگوں کی چیخ وپکار سن رہا ہوں۔''

''یہ وہ بندہ ہے جس کے قلب کو اللہ تعالیٰ نے منور کردیا ہے۔''[۱]

دوم یہ کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم میں سے ایک شخص دوسرے کی رہنمائی اچھے یا برے کام کی طرف کرتا ہے لیکن جو کچھ وہ کہتا ہے اس پر خود عمل نہیں کرتا۔ تاہم پیغمبروں اور اماموں کے معاملہ میں جن کی ہدایت اور پیشوائی اللہ کے امر کے مطابق ہوتی ہے، اس قسم کی صورت کبھی پیدا نہیں ہوتی۔ وہ جس دین کی جانب لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں، وہ لوگوں کو جس روحانی زندگی کی دعوت دیتے ہیں، وہ ان کی خود کی بھی زندگی ہوتی ہے[۲] کیونکہ اللہ تعالیٰ جب تک کسی شخص کی خود ہدایت نہ کرے اس کے ذریعہ دوسروں کی ہدایت ہرگز ممکن نہیں۔ اس بحث سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں:

۱۔ ہر امت میں اس کے پیغمبر اور امام جس روحانی و دینی زندگی کے کمال کی جانب لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور ان کی رہنمائی کرتے ہیں اس میں وہ خود پہلا مقام رکھتے ہیں کیونکہ جیسا کہ ان کے لئے لازم ہے وہ اپنی تعلیمات پر خود عمل کرتے ہیں اور جس روحانی زندگی پر وہ عقیدہ رکھتے ہیں اس میں خود بھی شریک ہوتے ہیں۔

۲۔ چونکہ وہ لوگوں میں پہلا مقام رکھتے ہیں اور امت کے پیشوا اور رہنما ہوتے ہیں اس لیے وہ سب سے افضل اور کامل انسان ہوتے ہیں۔

۳۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی امت کی رہنمائی پر مامور ہو وہ جس طرح لوگوں کی ظاہری زندگی اور اعمال میں ان کا رہنما ہوتا ہے، اسی طرح روحانی زندگی میں بھی ان کا رہنما ہوتا ہے اور

۱۔ الوافی، ملامحسن فیض کا شانی (جلد ۳، صفحہ ۳۳) مطبوعہ تہران ۱۳۱۰،۱۴ھ

۲۔ جو شخص دین کی راہ دکھاتا ہے کیا وہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کے حکم کی پیروی کی جائے یا وہ شخص جو خود ہی جب تک دوسرا اسے راہ نہ دکھائے راہ نہیں دیکھ سکتا۔ تم لوگوں کو کیا ہوگیا ہے؟ تم لوگ کیسے فیصلے کرتے ہو؟'' (سورہ یونس، آیت ۳۵)

انسانی زندگی کے باطنی پہلو اور دینی اعمال کا انحصار اس کی رہنمائی پر ہوتا ہے۔[۱]

اسلام کے امام اور پیشوا

سابقہ ابواب میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ رسول اللہؐ کی رحلت کے بعد امت مسلمہ میں ہمیشہ ایک امام (یعنی اللہ کا منتخب پیشوا) موجود رہا ہے اور یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ شیعیت میں رسول اکرمؐ کی ایسی بہت سی احادیث نقل کی گئی ہیں[۲] جن سے ائمہ کے اوصاف اور ان کی تعداد کا پتہ چلتا ہے اور اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ان سب کا تعلق قبیلۂ قریش اور اہلبیت رسولؐ سے ہے اور مہدیٔ موعود بھی انہیں میں سے ہیں اور ان میں سے آخری ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت علیؑ کی امامت اور ان کے پہلا امام ہونے کے بارے میں نیز دوسرے ائمہ کی امامت کے متعلق بھی رسول اکرمؐ کے قطعی ارشادات موجود ہیں۔ اسی طرح پیشتر اماموں نے اپنے بعد آنے والوں کی امامت کے متعلق قطعی طور پر بتایا ہے۔[۳]

ان ارشادات کے مطابق جو شیعہ اثنا عشری آخذ میں موجود ہیں، اماموں کی کل تعداد بارہ ہے اور ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱۔حضرت علی ابن ابی طالب المرتضٰی (ع) ۲۔حضرت حسن ابن علی المجتبیٰ (ع) ۳۔حضرت حسین ابن علی المجتبیٰ (ع)
۴۔حضرت علی ابن حسین السجاد (ع) ۵۔حضرت محمد ابن علی الباقر (ع) ۶۔حضرت جعفر ابن محمد الصادق (ع)
۷۔حضرت موسیٰ ابن جعفر الکاظم (ع) ۸۔حضرت علی ابن موسیٰ الرضا (ع) ۹۔حضرت محمد ابن علی التقی (ع)
۱۰۔حضرت علی ابن محمد النقی (ع) ۱۱۔حضرت حسن ابن علی العسکری (ع) ۱۲۔حضرت محمد ابن حسن المہدی (ع)

۱۔ ہم نے انہیں لوگوں کا پیشوا (امام بنایا جو کہ ہمارے حکم سے (ان کی ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کے پاس نیک کام... کرنیکی وحی بھیجی۔'' (سورۂ انبیاء، آیت ۷۳) ''جب وہ ثابت قدم ہوگئے اور ہماری وحی پر پختہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان میں سے پیشوا (امام) مقرر کیے جو ہمارے حکم سے ان کی ہدایت کرتے تھے۔''۔ (سورہ سجدہ، آیت ۲۴) ان آیات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ظاہری پیشوا اور رہنما ہونے کے علاوہ امام لوگوں کی رہنمائی کرنے اور انہیں اپنی جانب مائل کرنے کی ایک روحانی طاقت بھی رکھتا ہے جس کا تعلق عالم بالا سے ہے۔ وہ صداقت، نور اور اپنی ہستی کی باطنی کیفیت کی بدولت لوگوں کے دلوں کو متاثر اور مسخر کرتا ہے اور یوں ان کی رہنمائی کمال اور ہستی کے اصلی ہدف کی جانب کرتا ہے۔

۲۔ جابر ابن سمرۃ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: 'بارہ خلفاء کے دور تک یہ دین طاقتور رہے گا۔' پھر جابر کہتے ہیں کہ لوگوں نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ پھر آنحضرتؐ نے کچھ آہستہ سے کہا۔ میں نے اپنے باپ سے پوچھا: ''ابا جان! رسول اللہؐ نے کیا فرمایا ہے؟'' میرے باپ نے جواب دیا: ''رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ تمام خلفاء قریش میں سے ہوں گے۔'' سنن ابوداؤد (جلد ۲، صفحہ ۲۰۷ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۴۸ھ مسند احمد (جلد ۵، صفحہ ۹۲) ایسی کئی دیگر احادیث بھی ہیں۔ سلمان فارسی نے کہا ہے: ''میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ حسینؑ ان کے گھٹنوں پر بیٹھے ہیں اور آنحضرتؐ ان کی آنکھیں اور منہ چوم رہے ہیں اور فرمارہے ہیں: ''تم شریف ابن شریف، امام ابن امام، حجت ابن حجت ہو اور نو 'حجج' کے باپ ہو جن میں سے نواں ان کا سہارا (قائم) ہے۔'' (ینابیع المودۃ، صفحہ ۳۰۸)

۳۔ دیکھئے: الغدیر، غایت المرام، اثبات الہداۃ۔ مصنفہ محمد ابن حسن حر عاملی مطبوعہ قم ۳۹، ۱۳۳۷ھ 'ذخائر العقبیٰ۔ مناقب' خوارزمی مطبوعہ نجف ۱۳۸۵ھ تذکرہ الخواص مصنفہ سبط ابن جوزی مطبوعہ تہران ۱۲۸۵ھ۔ ینابیع المودۃ، الفصول المہمہ، دلائل الامامت، مصنفہ محمد ابن جریر طبری مطبوعہ نجف ۱۳۶۹ھ۔ النص والاجتہاد، مصنفہ شرف الدین موسیٰ، مطبوعہ نجف ۱۳۷۵ھ، اصول الکافی (جلد ۱، اور کتاب الارشاد، مصنفہ شیخ مفید، مطبوعہ تہران ۱۳۷۷ھ